۲۲/مئی ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲۰

اس شمارے میں

آل احمد سرور

شکاگو یونیورسٹی

یہ یونی ورسٹی راک فیلر کی مدد سے قائم ہوئی۔ اس کے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے۔ یونی ورسٹی کے صدر یعنی وائس چانسلر ہر سال یونی ورسٹی کے خسارے کو دور کرنے کے لیے راک فیلر سے چیک لے آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان سے پہلے سے کہلوا دیا گیا کہ راک فیلر خسارے کو دور کرنے کی بات سننا پسند نہ کریں گے۔ صدر صاحب حسب معمول پہنچے۔ ملنے کے بعد صدر نے کہا آیئے ہم لوگ دعا کریں۔ دعا یہ تھی کہ خدا کرے ہمیں راک فیلر سے خسارے کو دور کرنے کے لئے روپیہ کی درخواست نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ مطلوبہ رقم بے مانگے مل گئی۔

شکاگو یونی ورسٹی امریکہ کی مشہور اور ممتاز یونیورسٹیوں میں سے ہے یوں تو امریکہ میں آٹھ سو سے اوپر یونیورسٹیاں ہوں گی لیکن ایسی یونیورسٹیاں جو بین الاقوامی شہرت رکھتی ہیں پندرہ بیس ہیں۔ ان میں ہارورڈ۔ ایم۔ آئی۔ ٹی۔ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا۔ برکلے۔ ییل۔ کولمبیا۔ شکاگو۔ پرنسٹن۔ پینسل وینیا۔ نیو جرسی۔ منی سوٹا۔ وسکانسن کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ شکاگو یونیورسٹی میں کئی استاد ایسے ہیں جو نوبل انعام پاچکے ہیں۔ چاند کے پتھروں پر خاصی تحقیق یہاں کے لوگوں نے کی ہے۔ یونی ورسٹی کی عمارتوں پر گاتھک طرز کا اثر ہے۔ امریکہ کی متعدد یونی ورسٹیوں میں چالیس پچاس ہزار طلبہ کی تعداد عام ہے۔ خود شکاگو شہر میں چھ اور یونیورسٹیاں ہیں۔ ان میں الی نوائے (ILLINOIS) یونی ورسٹی میں چالیس ہزار طلبہ ہیں۔ لیکن شکاگو یونی ورسٹی میں طلبہ کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی کیونکہ یہاں بیشتر گریجویٹ اسکول (آنرس) یا پی۔ ایچ۔ ڈی کے طالب علم ہوتے ہیں۔ ۱۹۶۹ء کے تعلیمی سال کے آغاز میں یونیورسٹی نے گریجویٹ اسکول میں کوئی نیا داخلہ نہیں کیا۔ اس پر کوئی ہنگامہ بھی نہیں ہوا۔ جن کو یہاں داخلہ نہیں ملتا وہ شہر کی کسی دوسری یونی ورسٹی میں چلے جاتے ہیں۔ اساتذہ کی کمیٹیاں کورس بناتی ہیں۔ وہی طلبہ کے معیار کا اندازہ کرتی اور امتحان لیتی ہیں۔ یونی ورسٹی میں اساتذہ کے تقرر کی سفارش بھی یہی کرتی ہیں جو عام طور پر اوپر جاکر منظور ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یونی ورسٹی کو فیکلٹی چلاتی ہے یعنی استاد چلاتے ہیں۔ طلبہ کی کمیٹیاں مختلف منزلوں پر ہر کام میں شریک ہوتی ہیں۔ طلبہ اپنا اخبار نکالتے ہیں جس کا نام (MAROON) ہے۔ یہ اخبار سبھی استاد اور طالب علم پڑھتے ہیں۔ اس میں طلبہ ہر موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ سیاسی، تعلیمی، تہذیبی سبھی موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔ یونی ورسٹی کے اہم تقررات اور خاص سرگرمیوں کی رپورٹ ہوتی ہے۔ ایک ہفتے آٹھ تقررات کی خبر تھی۔ چار پروفیسروں اور چار شریک پروفیسروں کی عمر ۲۹ اور ۳۰ کے درمیان۔ ایسے بہت سے شعبے ہیں جن میں پروفیسروں کی تعداد [illegible]

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ [illegible] روپے

یا اسسٹنٹ پروفیسروں سے زیادہ ہے۔ مشہور و معروف اشخاص کو چھوڑ کر جن کا مستقل تقرر شروع سے ہو سکتا ہے، عام طور پر تین سال کے لئے پہلے تقرر ہوتا ہے۔ اس عرصے میں اگر پی۔ ایچ۔ ڈی کر لیا، یا کوئی کتاب شائع کر دی تو مستقل کر دیا جائے گا، ورنہ تین سال کا اور موقع دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی قابل قدر کام نہ ہوا یا پی۔ ایچ۔ ڈی نہیں کیا تو ملازمت ختم ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے کام کی فضا عام ہے۔ یونی ورسٹی ہفتے میں پانچ دن کھلتی ہے۔ لوگ صبح نو بجے سے عام طور پر آ جاتے ہیں اور شام کے پانچ چھ بجے تک اپنے کمروں میں کام کرتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ رات کو پھر آ کر کام کرتے ہیں۔ میں جب پہلے دن پہنچا تو مجھے دو چابیاں دی گئیں۔ ایک میرے کمرے کی، دوسری جنوبی ایشیا کے شعبے کی عمارت کی۔ میں نے پوچھا کہ عمارت کی چابی کا میں کیا کروں گا۔ معلوم ہوا کہ رات کو اگر دیر تک کام کرنا ہے تو اس چابی کی مدد سے آزادی سے آ جا سکتے ہیں۔ پہلے ہی دن میرے کمرے میں ٹیلی فون موجود تھا۔ چھ سو ڈالر کی پیشگی رقم کا چک بھی اسی دن دے دیا گیا تاکہ ابتدائی اخراجات کے سلسلے میں پریشانی نہ ہو۔ کورس استاد اپنی مرضی سے بناتا ہے اور اپنے طریقے سے پڑھاتا ہے، کچھ لوگ صبح کو اپنا کام کرتے ہیں۔ شام کو پڑھاتے ہیں۔ کچھ لوگ ہفتے میں تین دن سارے لیکچر رکھ لیتے ہیں باقی دن خالی رکھتے ہیں۔ یونی ورسٹی میں نو بجے صبح سے لیکر رات کے نو بجے تک کلاس ہوتے رہتے ہیں طلبہ سے جو فیس لی جاتی ہے وہ بہت ہے مگر چونکہ بہت سے طلبہ کو کوئی نہ کوئی وظیفہ مل جاتا ہے اور بہت سے طالب علم پڑھنے کے علاوہ کوئی کام بھی کرتے ہیں، اس لئے فیس معاف کرنے یا یونی ورسٹی کی طرف سے امداد کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میرے زمانہ قیام میں سالانہ فیس اکیس سو ڈالر سے بڑھا کر چوبیس سو ڈالر کر دی گئی تھی۔ یعنی تقریباً دو سو ڈالر ماہوار۔ میں یونیورسٹی کی جس بس میں جاتا تھا اس میں جس طالب علم سے ملاقات ہوئی وہ یا تو شہر میں کوئی کام کرتا تھا یا کسی اسکول میں جز وقتی تعلیم دیتا تھا یا اسے کوئی وظیفہ ملتا تھا۔ طلبہ اور طالبات کا تناسب قریب برابر ہوگا۔ ان میں اچھی خاصی تعداد میں سیاہ فام طلبہ اور طالبات تھے۔ کچھ سیاہ فام اساتذہ بھی ہیں مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ایک سیاہ فام پروفیسر کو بھی دیکھا۔ ویسے یونی ورسٹی پر یہودی اور لبرل خیالات رکھنے والے اساتذہ چھائے ہوئے ہیں۔ شکاگو میں سفید اور سیاہ فام لوگوں کے درمیان بڑی تناتنی دیکھی۔ مگر یونی ورسٹی میں اس معاملے میں مساوات نظر آئی۔ ایک بات جو میں نے نوٹ کی، لباس کے معاملے میں بے پروائی اور بے نیازی تھی۔ استاد ہوں یا طالب علم جسے خوش پوشی اور نفاست کہتے ہیں اس کے زیادہ قائل نہیں۔ سب چلتا ہے۔ داڑھیاں ہر طرف نظر آتی ہیں۔ طالب علم یا تو لائبریری میں کتابوں پر نظریں گاڑے دکھائی دیتے ہیں، یا چائے خانوں میں پرجوش بحث و مباحثے میں مصروف۔ انھیں دنیا کے ہر مسئلے سے دلچسپی ہے۔ ویٹ نام۔ سیاہ و سفید کا امتیاز۔ فضا کا گدلا پن تو خیر خاص دلچسپی کے موضوعات ہیں، لیکن عرب، اسرائیل تنازعے۔ نئی فلموں۔ نئے ڈراموں۔ بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کی تدابیر۔ بڑے کارخانوں کا ہوا کو گندہ کرنا۔ یونی ورسٹی کی تعلیم۔ ثقافتی زندگی۔ غرض ہر مسئلے پر پرجوش بحث ہوتی ہے۔ مضمون لکھے جاتے ہیں۔ سیمنار ہوتے ہیں۔ رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ امریکہ کے طالب علم سیاسی و سماجی مسائل میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شخصی آزادی کے بھی بہت قائل ہیں۔ کوئی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کوئی ہرن پر گھاس نہیں لادتا۔

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر جعفر رضا کا شعری مجموعہ "چاند کے پتھر"

ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ڈاکٹر جعفر رضا کی غزلوں اور نظموں کا پہلا شعری مجموعہ "چاند کے پتھر" انوار بک ڈپو شمشاد بلڈنگ علی گڑھ سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

• ناصر نگار

تامل ناڈو میں اردو کی درسی کتابوں کی اشاعت کا ادارہ

جیل آباد، میسورم میں "کتاب گھر" کے نام سے ایک ادارہ بیس سال سے نصابی کتابوں کی اشاعت کا کام کر رہا ہے۔ اس میں تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور حساب وغیرہ کی بہت سی نصابی کتابیں اردو میں شائع ہوتی ہیں اور اس علاقے کے مدارس میں کافی مقبول ہوئی ہیں۔ دوسری دیسی ریاستوں کے مدارس اور طلبہ بھی جہاں نصابی کتابیں اردو میں کم دستیاب ہوتی ہیں ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب گھر جیل آباد میسورم (این۔ اے) تامل ناڈو سے مراسلت کی جا سکتی ہے۔

اے۔ احمد شاہ

دیویندر پرشاد سکسینہ

آہ شکیل بدایونی

وہی کچھ جانتے ہیں لطف جینے اور مرنے کا
محبت میں جو اپنی زندگی برباد کرتے ہیں
(جگر بریلوی)

شکیل صاحب سے میرے تعلقات کم و بیش پندرہ سال سے قائم تھے غالباً میری سب سے پہلی ملاقات حضرت شاداں بدایونی نے کرائی تھی جب وہ ایک مشاعرے کے سلسلے میں بدایوں تشریف لائے تھے، پہلی ہی ملاقات میں بدایوں کے بزرگ اساتذۂ فن اور قابل ذکر شعرا کا ذکر نہایت احترام کے ساتھ مجھ سے کیا اور رائے دی کہ لکھنؤ کے دبستان کی طرح بدایوں کے دبستان پر بھی تحقیقی کام ہونا چاہیے اور یہ ادبی کام مجھے اور فرخ بدایونی ماہر غالبیات کو کرنا چاہیے۔ افسوس شکیل صاحب کی یہ تمنا ان کی زندگی میں پوری نہ کرسکا لیکن اب خدا نے چاہا تو جلد ہی بدایوں کے قابل ذکر شعرا پر اپنی کتاب شائع کراؤں گا۔ شکیل ملک میں ایک غزل گو شاعر اور گیت نگار کی حیثیت سے معروف و مقبول تھے اور ان کے نغموں سے سارا ہندوستان گونج رہا تھا۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بھارت کے ہر مرد عورت اور بچے ان کے گیتوں کو ہر وقت گاتے تھے۔ جدید دور میں یہ مقبولیت ہندوستان میں اردو ہندی یا کسی علاقائی زبان کے شاعر کو نصیب نہ ہوئی۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی شکیل کے گیت مقبول رہے ہیں۔

بدایوں کی سرزمین پر ہمیشہ سے علم و ادب کے چرچے رہے ہیں یہاں کی خاک پاک نے ملا عبدالقادر بدایونی، گوہر بدایونی، مجرد بدایونی، قمر بدایونی، فانی بدایونی، رضی بدایونی، اور گلشن زبان جوہر جیسے اساتذۂ فن پیدا کئے جن کی ادبی خدمات کو اردو کے ہر ادبی مورخ اور تذکرہ نویس نے تسلیم کیا ہے اسی بدایوں کے رہنے والے شکیل بدایونی تھے جن کو بدایونی ہونے پر ناز تھا۔ یکم فروری ۱۹۶۱ء کو اپنے وطن بدایوں آئے تو ہزاروں لوگوں نے آپ کا استقبال کیا ایک غزل کے مقطع میں کیا خوب فرمایا ہے ؂

خاکِ وطن کو منہ سے ملیں کیوں نہ ہم شکیل
مدت کے بعد آئے ہیں اپنے دیار میں ہم

۱۲ مارچ ۱۹۶۹ء کو غالب صدی کے موقع پر جناب گوپال ریڈی صاحب گورنر اتر پردیش نے شکیل روڈ کا افتتاح کیا تھا یہ وہی تاریخی روڈ ہے جس پر شکیل صاحب کا مکان اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے اردو ادب کے سچے خادم پروفیسر آل احمد سرور کا مکان موجود ہے۔ شکیل صاحب کے مکان کی عمارت میں ہماری آواز بدایوں کا دفتر ہے اور اسی عمارت میں عوام کے لئے ایک ریڈنگ روم بھی ہے۔

شکیل صاحب کی وفات پر اب تک دو تین مضامین میری نظر سے گزرے ہیں ان میں ان کے صحیح حالات زندگی نظر نہیں آئے اس لئے ان کے خود نوشت حالات پیش کئے دیتا ہوں جو انھوں نے اسلامیہ کالج بدایوں کے میگزین ۵۳-۱۹۵۲ء کے لئے لکھے تھے۔

"اصل نام شکیل احمد تاریخی نام غفار احمد تخلص شکیل مقام و سنہ پیدائش بدایوں ۱۳۳۴ھ والد کا نام مولانا مولوی جمیل احمد صاحب قادری سوختہ جو بمبئی میں خواجہ اہل سنت کی مسجد میں اٹھارہ سال پیش امام و خطیب رہ کر ۱۹۳۹ء میں رحلت فرماگئے میری ابتدائی تعلیم خاندانی روایات کے ماتحت مکتب سے شروع ہوئی۔ اردو، فارسی، عربی کے ابتدائی اسباق کے بعد مشن اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں میں ۱۹۲۰ء میں چوتھے درجے میں داخل ہوا پانچواں درجہ پاس کرنے کے بعد کچھ مدت اپنے والد مرحوم کی زیر نگرانی بمبئی میں تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۹۳۲ء میں مشن اسلامیہ ہائی اسکول میں داخل ہوکر ۱۹۳۶ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی اور بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اسی سال مجھے گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمۂ سپلائی میں ملازمت مل گئی اور تقریباً چار سال کلرک اور کلرک انچارج کی حیثیتوں سے کام کرنے کے بعد دہلی کو بھی خیرباد کیا ملازمت سے مستعفی ہوکر ۱۹۴۶ء میں بمبئی آکر فلمی دنیا میں بہ حیثیت گیت نگار کاردار اسٹوڈیو میں معقول مشاہرہ پر ملازم ہوگیا اور اب تک ملازم ہوں اس ملازمت کے علاوہ دوسرے فلمی اداروں میں کنٹریکٹ پر کام کرتا ہوں میرے والد مرحوم ۱۹۳۶ء میں میری شادی کے فرض سے سبکدوش ہوگئے تھے اس وقت تین لڑکیاں اور ایک لڑکا میرے گھر کی رونق ہیں۔ شاعری کا شوق مجھے بچپن ہی سے تھا کیوں نہ ہوتا جبکہ بدایوں کی سرزمین پر ہی میرے بچپن نے ڈیرہ ڈالا حضرت ضیاء القادری کاملی کے فیض تربیت اور برادر محترم حضرت جام نوائی کا فیض صحبت میری شاعرانہ صلاحیتوں کے لئے مددگار ثابت ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے پہلی غزل ۱۹۲۹ء میں کہی تھی جو ۱۹۳۰ء میں بمبئی کے ایک اخبار شان ہند میں شائع ہوئی تھی۔ ابتدا ہی سے غزل گو شعرا کی صحبت حاصل رہی، اس لئے غزل گوئی سے طبیعت کو زیادہ لگاؤ

پیدا ہوگئی۔ اب تک میرے تین مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں ایک نعتیہ جس کا نام "نغمۂ فردوس" ہے اردو غزلیات کے دیوان "رعنائیاں" اور "صنم و حرم"۔

۲۰ اپریل ۱۹۷۰ء کو چار بجے ان کو خون کی قے آئی اور چار بج کر بیس منٹ پر بمبئی کے ایک اسپتال میں ان کا چراغ زندگی گل ہوگیا اور ہمارے ہندوستان کے ادبی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ یو۔پی کے گورنر جناب گوپال ریڈی صاحب نے شکیل بدایونی کی وفات پر اپنے پیام تعزیت میں فرمایا ہے۔

"آج اخبارات میں یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ ہمارے اچھے دوست شری شکیل بدایونی اب دنیا میں نہیں ہیں اگرچہ وہ کچھ عرصہ سے علیل تھے لیکن میں کبھی ان کی علالت کی نزاکت کا احساس نہ کر پایا۔ میں سوچتا تھا کہ وہ بدایوں تشریف لائیں گے اور ان کے نام سے موسوم اس سڑک کو دیکھیں گے جس کا افتتاح کچھ عرصہ پہلے میں نے کیا تھا۔ انھوں نے اپنے لئے ایک غزل گو کی حیثیت سے اردو شاعری میں مقام پیدا کیا اور جملہ علم میں حضرات ان کی غزلیات اور گیتوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ غالباً وہ دور جدید کے بہترین غزل گو شعرا میں سے ایک تھے۔"

شکیل کے گیتوں سے دل کے کنول کھل اٹھتے ہیں اور شوق کے گلکدے پھر سے تر و تازہ ہو جاتے ہیں۔ شکیل سے پہلے اندرجیت شرما کے گیت مقبول رہے ہیں۔ شرما کے گیتوں میں ہندی ماحول تو ملتا ہے لیکن دور جدید کے ہندوستان کا دل دھڑکتا ہوا نظر نہیں آتا جو شکیل کے گیتوں کی امتیازی خصوصیت ہے۔ شکیل کے گیتوں میں ہندوستانی ماحول کے آدرش کی بھرپور عکاسی بھی ملتی ہے۔

شکیل اپنے گیتوں کو ہی اپنا سرمایہ سخن نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کو ایک غزل گو شاعر ہونے پر ناز تھا۔ شکیل کی غزلیں تیر و نشتر سے بھری پڑی ہیں حسن بیان رفعت تخیل لطیف و نازک جذبات اور احساسات سے ان کا سارا کلام بھرپور ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے "اردو غزل" کتاب میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔ اور حضرت جگر بریلوی نے "جدید تغزل" میں ان کا ذکر کیا ہے۔

شکیل کی غزلیات کا کچھ انتخاب پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے درحقیقت مجھے زندگی سے پیارا

مجھے تجھ سے خاص نسبت ہیں رہین موج طوفاں
جنھیں زندگی تھی پیاری انھیں مل گیا کنارا

مجھے گفتگو سے بڑھ کر غم اذن گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں جو نہ کہہ سکوں دوبارا

کوئی اے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انھیں اعتبار وفا تو ہے مجھے اعتبار ستم نہیں

وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

چھپنا پڑا گلوں کو کبھی دامان خار میں
کچھ ایسے حادثے بھی ہوئے ہیں بہار میں

سمجھو یہی کہ تم سے محبت نہیں مجھے
کچھ بدگمانیاں بھی ضروری ہیں پیار میں

کردیں کہیں جنوں میں نہ دامن کی دھجیاں
دیوانوں سے مذاق نہ کیجے بہار میں

اک تو کہ عمر بھر مرے نزدیک ہی رہا
اک میں کہ آج تک ہوں ترے انتظار میں

زبان فطرت سے ان دنوں میں نئے نئے راز سن رہا ہوں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے خود اپنی آواز سن رہا ہوں

وہ وفا میں کوئی صاحب جنوں نہ ملا
دلوں میں عزم تو دیکھے رگوں میں خوں نہ ملا

جو از خود نہ بدلا نظام دو عالم
تری زلف سے برہمی مانگ لوں گا

خزاں کے دم سے ہے قائم چمن کی رعنائی
اجڑ ہی جائے اگر مستقل بہار رہے

کبھی یک بہ یک توجہ کبھی دفعتاً تغافل
مجھے آزما رہا ہے کوئی رخ بدل بدل کر

نجم الحسن انجم ادیب

"غالبؔ! میسور میں"

غالبؔ کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں ہند و بیرونِ ہند جا بجا مشاعرے جلسے منائے گئے اور ہندوستان بھر میں بے شمار رسالوں نے اپنے اپنے غالبؔ نمبر نکالے اور غالبؔ سے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کا تعارف جناب ضیاء الدین احمد صاحب نے ماہنامہ "آجکل" دلی میں کرایا ہے اور 'ہماری زبان' میں جو مضامین غالبؔ سے متعلق شائع ہوئے تھے ان کا اشاریہ جناب اسلام الدین قریشی صاحب نے "ہماری زبان میں غالبؔ" کے عنوان سے کرایا تھا۔

اب میں ذیل میں ان رسالوں اور اخباروں کے نام دے رہا ہوں جو ریاست میسور میں "غالبؔ کی صد سالہ برسی" کے سلسلے میں شائع ہوئے تھے۔ ریاست میسور سے کوئی ماہنامہ نہیں نکلتا[1] اب ریاست میسور سے تین روزنامے نکلتے ہیں "آزاد" (عبدالہادی رفعت)، سالار (محمود ایاز) اور پاسبان (اسمٰعیل تابش) اور ہفتہ وار دوں میں نشیمن، کاروان، نلم اینڈ ڈانس، فلم انڈیا، مارشل، فلمکار اور قوم نکلتے ہیں۔

۱۵ فروری ۶۹ء کو شام کے چھ بجے آل انڈیا ریڈیو بنگلور سے میسور کے وزیر اعلیٰ شری ویرندرا پاٹل کی ایک تقریر نشر ہوئی جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"طالب علمی کے زمانے ہی سے اردو سے مجھے انس ہے اور اس انس کے پیدا کرنے اور ترو تازہ رکھنے میں غالبؔ کی شاعری کو بڑا دخل ہے اکثر اس عظیم شاعر کے ان اشعار کو دل ہی دل میں دہراتا رہتا ہوں ؎

نہ سنو گر برا کہے کوئی ۔۔۔ نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی ۔۔۔ بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند ۔۔۔ کس کی حاجت روا کرے کوئی

[1] پہلے نیا دور (مدیر ممتاز شیریں)، ترقی (مدیر سہیل)، کائنات (عبدالقدیر)، غزل، شہاب، وغیرہ ماہنامے شائع ہوتے تھے۔ دو سال پہلے "" سے ایک پندرہ روزہ "سحاب" نکلتا تھا جو ایک ماہ ہی کے عرصے میں 'ماہنامہ' ہو گیا جس کے تین چار شمارے نکلے اور بعد میں وہ بھی بند ہو گیا۔
پہلے سہ ماہی 'سوغات' اور 'نئی پود' بھی نکلتے تھے۔
(انجم ادیب)

ہو سکتا ہے کہ ایران و یونان کی سیاسی عظمت آج اتنی نہ ہو جتنی کہ قدیم زمانے میں تھی لیکن ان دو ممالک کو آج بھی ان کے ممتاز شعرا اور مفکرین کی وجہ سے عظمت و عزت حاصل ہے ان کی تصانیف کو اصلی رنگ و روپ میں دیکھنے اور سمجھنے کے لئے آج بھی ہزاروں لوگ یونانی اور فارسی زبان سیکھتے ہیں حالی حال تک سنسکرت کو مردہ زبان سمجھا جاتا تھا لیکن کالی داس اور ویاس کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے دنیا کے ہر حصے میں لوگ سنسکرت سیکھ رہے ہیں ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی بنگالی تصانیف کو پڑھنے کے لئے کئی لوگ بنگالی زبان سیکھتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ زبان سیکھنے کے لئے سینکڑوں لوگ آئیں گے جس میں ایک ایسا شاعر ہو جو اپنے عہد کا آئینہ بن کر ماضی و مستقبل کی وسعتوں میں پھیل جائے اور جس کی شاعری میں ہر زمانہ اپنا عکس دیکھ لے۔

غالبؔ کی یہ پیشین گوئی کہ ان کی شاعری کی قدر و قیمت ان کے بعد پہچانی جائے گی بالکل درست ثابت ہوئی۔ ہم نے ان کی شاعری کی قدر و قیمت کو دوبارہ دریافت کیا ہے میرا ایقان ہے کہ غالبؔ کو سمجھنے کے لئے اب کئی لوگ اردو سیکھنا شروع کریں گے۔

اردو زبان کا یہ محسنِ اعظم اب صرف اردو کا نہیں رہے گا بلکہ وہ سارے سنسار کا ہو جائے گا اس طرح ہندوستان کی عظمت میں بھی اضافہ ہوگا۔"

ریاست میسور کے مختلف شہروں کی انجمنوں اور کالجوں میں غالبؔ سے متعلق مشاعرے سیمپوزیم منعقد کئے گئے اور ریاست کے اردو روزناموں میں غالبؔ سے متعلق مضامین بھی شائع ہوئے "سالار" نے اپنا غالبؔ نمبر شائع کیا تھا جس کے مضامین کا اشاریہ درج ذیل ہے۔

(۱) غالبؔ ایک تہذیبی ورثہ (۲) غالبؔ کی ارضیت
(۳) غالبؔ اور تمنا کا دوسرا قدم (۴) غالبؔ ایک مطالعہ
(۵) غالبؔ چشمِ سوزن سے (۶) کلامِ غالبؔ کے پانچ رنگ
(۷) غالبؔ کا تخیل جدید لوگ (۸) غالبؔ کی تصویر نگاری اور ابدیت
(۹) پرتوِ غالبؔ (۱۰) غالبؔ کے دو مجہول شعر

سب سے پہلے "بزم اردو فارسی" گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج بنگلور نے اپنے سالنامہ "حیاتِ نو" کا غالبؔ نمبر

نکالا تھا جس کے مضامین اکثر طلبہ کے لکھے ہوئے ہیں ان مضامین کا اشاریہ بھی درج ذیل ہے۔

(۱) تابیان غالب (۲) مرزا غالب کے شاگرد
(۳) اسلام اور غالب (۴) غالب فن اور شخصیت
(۵) غالب ایک شاعر کی حیثیت سے (۶) غالب کے دو شعر
(۷) مرزا غالب کے خطوط پر ایک نظر (۸) غالب کا نظریۂ حسن و عشق
(۹) غالب کی شاعری (۱۰) غالب کی زندگی ان کے خطوط کے آئینہ میں
(۱۱) غالب کی انفرادیت (۱۲) غالب کی شاعرانہ خصوصیت
(۱۳) کوئی غالب سا نہیں کار رواں کیا (۱۴) مرزا غالب
(۱۵) غالب کیوں عظیم ہے؟ (۱۶) غالب اعتراضات کی روشنی میں
(۱۷) غالب اور وسعت زبان (۱۸) غالب کی شاعری کی ایک جھلک
(۱۹) غالب کی سہل پسندی (۲۰) غالب کے کلام میں موت و حیات کا تصور
(۲۱) مرزا اسد اللہ خاں غالب

دوسرا رسالہ بزم اردو ادب گورنمنٹ مہارانیز کالج میسور نے اپنا سالنامہ "الماس" کا غالب نمبر نکالا تھا جس کے مضامین کا اشاریہ درج ذیل ہے۔

(۱) غالب کی کہانی (۲) عکس غالب
(۳) خمریات غالب (۴) غالب کی سیرت کے چند نمایاں پہلو
(۵) پسندیدہ اشعار غالب (۶) غالب کے خصائل
(۷) مرزا غالب کی خصوصیات (۸) غالب کے خطوط میں جدت طرازی
(۹) غالب کی تعزیت نگاری (۱۰) قلمدان غالب
(۱۱) مرزا غالب کے لطائف (۱۲) کلام غالب پر اجمالی نظر
دیوان
(۱۳) غالب میری نظر میں (۱۴) غالب کی شاعری میں عشق کا تصور
(۱۵) غالب شوخی و ظرافت کے آئینہ میں (۱۶) بلائے جان ہے غالب
(۱۷) غالب کی فن کاری (۱۸) غالب کی شاعری
(۱۹) غالب کی راست گوئی (۲۰) غالب کا لال قلعہ سے تعلق
(۲۱) غالب اور علی گڑھ (۲۲) غالب کے متفرق اشعار
(۲۳) غالب کا فلسفہ (۲۴) غالب کی مشکل پسندی
(۲۵) غالب کا انداز بیان (۲۶) غالب جنت میں
(۲۷) غالب کی انفرادیت (۲۸) غالب کی سحر بیانی
(۲۹) احوال غالب (۳۰) غالب کے مقطعے
(۳۱) جدید مخطوطہ غالب اور (۳۲) قادر نامہ
مہارانی کالج کی طالبہ
(۳۳) غالب تنقید کی چھاؤں میں

تیسرا رسالہ کرناٹک اسٹوڈنٹس اردو فیڈریشن بنگلور نے اپنا سالنامہ "لوح و قلم" نکالا جس کے مضامین کا اشاریہ درج ذیل ہے

(۱) غالب اور اسلام (۲) آفتاب غالب کی جمالیات
(۳) غالب اور شکوۂ دوراں (۴) مکاتیب غالب
(۵) وہ آئیں گھر میں ہمارے (۶) غالب کا سماجی شعور
(۷) غالب اور غزل (۸) غالب ایک شاعر ایک قدر
(۹) کلام غالب کے انگریزی ترجمے

۲۵، ۲۶، ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء کو انجمن امامیہ (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام ایک ڈرامہ "آخری شمع" اسٹیج کیا گیا جسے فلمی شاعر کیفی اعظمی نے ترتیب دیا تھا اور مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب مرحوم نے لکھا تھا۔ غالب کا رول مشہور فلمی اداکار بلراج ساہنی نے ادا کیا اور تشنہ کا رول مشہور فلمی اداکار من موہن کرشن نے ادا کیا تھا اور دیگر مشہور و معروف اسٹیج و فلمی فنکاروں نے داغ، مومن، اہم وغیرہ کے رول ادا کئے تھے۔

انجمن امامیہ نے ایک "سوونیر" نکالا تھا جس کے مضامین کا اشاریہ درج ذیل ہے۔

(۱) آخری شمع (۲) غالب دو شعر دو ستارے
(۳) غالب کی انفرادیت (۴) جب غالب نے اپنی ہتک عزت کا دعویٰ کیا تھا
(۵) غالب پر سرسید کا اکسیو (۶) مختصر انتخاب کلام غالب بارہ سال پرانا مضمون
(۷) غالب شناسی (۸) دہلی کا یادگار مشاعرہ
اور دو مضمون انگریزی میں بھی شائع ہوئے تھے۔

(1) POET OF ALL SEASON
(2) MIRZA GHALIB

اور ڈاکٹر آمنہ خاتون لیکچرر گورنمنٹ مہارانی کالج بنگلور نے ایک کتاب GHALIBLIVES لکھی تھی جس پر ڈاکٹر شمیم حنفی صاحب کا تبصرہ "ہماری زبان" کی پچھلی اشاعتوں میں چھپ چکا ہے۔

▲

مراسلات

اردو کے تحفظ اور بقا کے لئے چند تجاویز

اگر کوئی قوم یا جماعت اپنے وطن میں رہتے ہوئے اپنی ضروریات کے لئے اپنی زبان کے استعمال کا قانونی حق نہیں رکھتی تو کہنا چاہئے کہ عملاً اس کی زندگی ختم ہو چکی۔ اردو کے بارے میں ہمارے ملک کی اکثریت اور ہماری حکومت کی شروع سے جو روش رہی ہے اس پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ زبان سے بڑے بڑے لیڈر اردو کی تائید میں بہت کچھ کہتے ہیں لیکن دستور کے صریح تحفظات (کاغذی تحفظات) کے باوجود جس طرح سیکولرزم کے دوسرے دعوے پادر ہوا ثابت ہوئے۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ بڑے افسر کاغذ کی خانہ پری کے لئے احکام بھی جاری کر دیتے ہیں مگر حکام ضلع کی عجیب سی جبلت ہے کہ مطلق پروا نہیں کرتے۔ یہ تمام اردو دوستوں کی حق تلفی ہے۔ بہر حال ہم لوگوں کو خدا کے بعد اپنی ہی سعی پر بھروسا کرنا چاہئے۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) اردو مکاتب اور مدارس کا ہر شہر، ہر قصبے اور ہر گاؤں میں قیام اور جو مکاتب قائم ہیں ان کی امداد۔ ہمیں یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اگر خدانخواستہ اردو مٹ گئی تو ہمارا کلچر، ہماری روایات اور ہماری قومیت سب کا زوال ہو جائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بچے سرکاری اور دوسرے مدارس میں تعلیم پا کر جب نکلتے ہیں تو اردو زبان اور ادب سے قطعی بیگانہ ہوتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری دراصل والدین کے سر ہے۔

(۲) ہمیں اردو اخبارات اور رسائل کی حتی الامکان امداد کرنا چاہئے۔

(۳) اگلے الیکشن پر ہم سب کو یا تو ووٹ دینے سے بالکل الگ رہنا چاہئے۔ اگر ووٹ دیں تو صرف ان پارٹیوں کو جو صاف الفاظ میں اردو کی حمایت کرنے کا تحریری وعدہ کریں۔ ورنہ ہمارا طرز عمل قومی خودکشی اور سیاسی بے غیرتی کی عبرتناک مثال ہوگا۔

(۴) ایسے افراد اور جماعتوں سے ہوشیار رہیں جو اردو کے رسم الخط کو بدلنے اور دوسری زبان نہ بنانے کی تبلیغ کرتے ہیں۔

غالب کے ایک شعر کی تشریح

جناب نثار احمد فاروقی صاحب نے ۸ راپریل ۷۰ء کی ہماری زبان میں غالب کا ایک شعر کے عنوان سے جو مراسلہ تحریر کیا ہے اس کے متعلق میں چند سطور سپرد قلم کرنا چاہتا ہوں۔ شعر یہ ہے

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

نثار صاحب نے شعر کے معنی لکھ کر یہ ایراد کیا ہے کہ برق سے کب شمع روشن کی جا سکتی ہے۔ نیز یہ کہ برق سے روشن کئے جانے پر بھی شمع تمام رات جل سکتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شعر میں "برق سے" نہیں ہے بلکہ "برق سی" (سی بمعنی مثل) ہے اور اب ان کے خیال میں مطلب شعر واضح ہو جاتا ہے۔

مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کی مجوزہ تصحیح سے ایک طرف شعر مسخ ہو جاتا ہے اور دوسری طرف معنی میں سقم پیدا ہوتا ہے۔ دراصل "سے" کا یہ استعمال فارسی کے "از" (بیانیہ) کی طرح ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم برق کی صورت میں شمع جلاتے ہیں۔ یعنی ہمارے ماتم خانے میں جو شمع روشن ہوتی ہے وہ دراصل برق ہی ہے۔

قطع نظر اس امر کے کہ برق کے لمحہ بھر کو چمکنے میں اور غم کی مختصر مدت میں کوئی مشابہت ہے، شاعر کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے سیہ خانے میں شمع کے بدلے برق کام دیتی ہے۔ وہ لمحہ بھر کو چمکی اور تمام گھر کو خاک سیاہ کر کے چل دی۔ بس اتنی دیر کا غم تو ضرور ہوا مگر پھر نہ گھر رہا نہ گھر کے مکیں تو غم کیسا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آزاد لوگوں کو غم بھی ہوتا ہے تو دم بھر کے لئے (سے) کا یہ استعمال غالب کے یہاں اور اسی طرح لفظ (از) فارسی میں دوسرے شعرا کے یہاں بھی موجود ہے۔ مثلاً

جادہ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع	چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع
(غالب)

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ	طوطی سبزۂ کہسار نے پیدا منقار
(غالب)

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبال نگاہ	خاک در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار
(غالب)

پوشیدہ از آنکہ منشور چو شستنے	بر جامۂ سیاہ ترا زخز ادکنا
(خاقانی)

مرد دل دریں چہ عذر نہ ہمدم کہ طفل وار	از نے کنم ستور و بہ تیر ابر آورم
(خاقانی)

دہلی	• ظہیر احمد صدیقی

ایک غلط فہمی کا ازالہ

۲۲ راپریل کے ہماری زبان میں جناب نثار احمد فاروقی نے اپنے ایک مضمون "غالب کا ہمعصر غالب الہ آبادی" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"اسی غالب الہ آبادی کی تحریر سفینۃ الطالبین کے حاشیے پر ہے جسے غلطی سے مرزا غالب کی تحریر سمجھ کر

نیا دور (لکھنؤ) کے غالب نمبر میں چھاپا گیا ان غالب الہ آبادی کا انتقال ۱۸۹۷ء میں ہوا ان کے بارے میں ایک اچھا مضمون "غالب اور غنیۃ الطالبین" کے عنوان سے جناب جلال الدین الہ آبادی نے لکھا ہے جو نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم میں شامل ہے اور جہاں تک یاد آتا ہے نیا دور لکھنؤ میں بھی چھپ چکا ہے۔

فاروقی صاحب کا یہ فرمانا کہ غنیۃ الطالبین کے حاشیے پر غالب الہ آبادی کی تحریر ہے درست نہیں ہے میں نے اپنے مضمون میں غنیۃ الطالبین کے حاشیے والی تحریر کو مہدی علی کی تحریر بتایا ہے کچھ صفحات کے حاشیے پر تین جگہ مہدی علی حاشیہ نگار نے اپنا نام بھی درج کر دیا ہے۔

ہاں غنیۃ الطالبین کے آخری صفحہ پر ترقیمے سے نیچے جو عبارت درج ہے وہ البتہ غالب الہ آبادی کی ہے۔

ان دونوں حضرات کی تحریر غنیۃ الطالبین پر موجود ہے اور حاشیے کی تحریر صرف مہدی علی کی ہے۔

الہ آباد • جلال الدین

نگار نوری

غزل

ہمیں راز نگاہوں سے اس کو دیکھا ہے
وہ بت خدا تو نہیں ہے مگر خدا سا ہے

کوئی بھی گھر ہو اسے اپنا گھر سمجھتے ہوئے
کبھی کبھی تو بڑے شوق سے سنوارا ہے

بس اب تو دل ہی کتاب آئینہ بھی نہ دیکھ
کہ دیکھنے کی طرح اس نے آج دیکھا ہے

اب اور کیا کہوں میں اس کی بے نیازی کو
یہی کہ موج میں اپنی بس ایک دریا ہے

اس اک جگہ پہ جسے میرا گھر بھی کہتے ہیں
گماں ہوا ہے کسی نے مجھے پکارا ہے

نکھر کے آئی ہے آشفتگی خیالوں کی
کہ اک گلشن نے محبت سے اس کو پالا ہے

بنا کے تاج محل نیند آنے والی تھی
کسی پری کو خیالوں نے لا اتارا ہے

ترے خیال نے کیا کیا عطا کیے معنی
مرا خیال جب اپنے بیاں سے الجھا ہے

جو دیکھا ہم نے تو یاد دل میں دیکھی تنہائی
پھر اس کے آگے یہ دیکھا کہ ایک صحرا ہے

وہ اب ہو کوئی مسرت کہ نامرادی ہو
کبھی کبھی تو یہ سوچا کہ سب تماشا ہے

اب اپنے غم بھی نہ دے میں خوش کیا نہ سکوں
کہ ہنستی بولتی دنیا میں مجھ کو رہنا ہے

ہوائے شوق نے جادو کیا ہے اے نوری
کہ اس جہاں میں جو کچھ بھی ہے وہ میرا ہے

اخبار و افکار

اردو کے تحفظ سے ممبران پارلیمنٹ کی دلچسپی

نئی دلی: پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبروں کے ایک غیر رسمی اجتماع میں اردو سے متعلق ممبران پارلیمنٹ کی ایک قومی کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لئے کوشش کرے گی۔ یہ اجتماع جناب آنند نرائن ملا ممبر لوک سبھا و صدر اردو کمیٹی کی دعوت پر نئی دلی میں طلب کیا گیا تھا۔ شرکاء میں جناب اکبر علی خاں (کانگریس)، بخشی غلام محمد خاں (آزاد)، حضرت مولانا سید اسعد مدنی (کانگریس)، جناب رندھیر سنگھ (کانگریس)، جناب محمد اسماعیل (مسلم لیگ)، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ (مسلم لیگ)، جناب زیڈ احمد (کمیونسٹ)، جناب ایس۔ ایم۔ بنرجی (کمیونسٹ)، مسز تارا کشوری سنہا (کانگریس، اپوزیشن)، سید بدرالدجیٰ (آزاد)، جناب ششی بھوشن (کانگریس) اور دوسرے ممبران شامل تھے۔

جناب آنند نرائن ملا نے اجتماع کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ محض زبان کا معاملہ نہیں بلکہ بنیادی نظریہ کا معاملہ ہے آپ نے کہا کہ ایک طبقہ کی طرف سے سیکولر نظریہ کے بجائے ایسا نظریہ پیش کیا جاتا ہے جو فاشی نظریہ ہے آپ نے کہا کہ اردو فرنٹ سیکولر فرنٹ سے وابستہ ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ دفاعی لڑائی لڑنے کے بجائے اردو کے تحفظ کے لئے ہم اپنی جدوجہد کو تیز کر دیں۔

جناب آنند نرائن ملا نے اردو کے تحفظ کے معاملہ کو ایک بنیادی حقوق کا سوال قرار دیا اور کہا کہ اسے محض ریاستی معاملہ قرار دیکر نہیں ٹالا جا سکتا۔ قانونی پہلوؤں کی بنیاد پر آپ نے کہا کہ چونکہ بنیادی حقوق کا سوال ہے اس لئے جہاں کہیں اس بنیادی حق کی خلاف ورزی ہو مرکزی حکومت اسے روک سکتی ہے۔

متعدد دوسرے ممبروں نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب رندھیر سنگھ نے کہا اردو کو اس کا مقام ملنا چاہئے۔ محض اقلیتوں کو خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ اس ملک کی زبان ہے آپ نے کہا کہ جہاں کہیں اردو کی سرکاری حیثیت رہی ہے اس کو وہاں اس کا درجہ ملنا چاہئے اردو زبان مسلمانوں کی زبان نہیں بلکہ ہندوستانیوں کی زبان ہے۔

سید بدرالدجیٰ نے شکایت کی کہ حکومت نے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اردو کا گلا گھوٹنے کی کوشش کی ہے جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ نے کہا کہ اردو کے حق میں جو آواز اٹھائی جائے اس میں جان ڈالنے کی ضرورت ہے۔

جناب ششی بھوشن نے اردو سے متعلق ایک قومی کمیٹی قائم کرنے کی تجویز پیش کی جو اردو کے لئے ایک بڑا کنونشن طلب کرے اور عوام کو اور حکومت کو اردو کا معاملہ سمجھائے۔

ڈاکٹر نورالحسن صاحب نے تجویز کیا کہ قومی کمیٹی میں صرف ممبران پارلیمنٹ کو شامل کیا جائے جو یہ دیکھے کہ اس معاملہ میں مرکزی حکومت کیا کر سکتی ہے اور وہ ریاستی حکومتوں کو اردو کو مراعات دلانے کے لئے کیا کچھ ہدایت دے سکتی ہے۔

جناب زیڈ احمد نے اس تجویز کو پسند کیا اور تجویز کیا کہ اس وقت جو ممبران پارلیمنٹ موجود ہیں ان سب کو اس کمیٹی کا ممبر تسلیم کیا جائے اور باقی ممبروں کو اس میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔

جناب ایس۔ ایم۔ بنرجی (کمیونسٹ) چاہتے تھے کہ اگر اردو کو اس کے حقوق نہ ملیں تو اس کے خلاف مظاہرہ کیا جائے لیکن جناب رندھیر سنگھ (کانگریس) نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کسی قسم کے مظاہروں میں شرکت سے معذوری ظاہر کی جس پر جناب بنرجی نے اپنی تجویز میں یہ ترمیم کرلی کہ ایک بڑا وفد وزیر اعظم سے ملے اور انھیں اردو کو اس کا حق دینے پر مجبور کرے۔ تجویز کی عام طور پر تائید کی گئی۔

طے کیا گیا کہ اردو سے متعلق مرکزی قومی کمیٹی کے علاوہ ریاستوں میں بھی ایسی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو صرف اسمبلی کے ممبروں پر مشتمل ہوں۔ مقصد پارلیمنٹ اور قانون ساز اسمبلیوں کی سطح پر اردو کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔

ابتداء میں جناب آنند نرائن ملا نے بتایا کہ حکومت یو۔ پی نے ایک اردو بورڈ قائم کیا ہے جس کا انھیں بھی ممبر نامزد کیا ہے نیز اردو کی ترقی کے سلسلہ میں کچھ تجاویز طلب کی ہیں۔ جناب ملا حاضرین سے چاہتے تھے کہ تجاویز کے سلسلہ میں ان کی امداد کی جائے لیکن کسی ممبر نے یو۔ پی میں اردو کے تحفظ کے سلسلہ میں کوئی تجویز پیش نہیں کی۔

• الجمعیۃ

انجمن اساتذہ اردو علی گڑھ یونیورسٹی کے جلسہ کی روداد

علی گڑھ یونیورسٹی کے اردو اساتذہ کی ایک اہم نشست زیر صدارت ڈاکٹر ظہیر احسن ۱۳ مئی ۱۹۷۰ء کو ڈاکٹر محمد حسنین کے مکان میں ہوئی جس میں علی گڑھ یونیورسٹی کے اردو اساتذہ کی تنظیم اور اردو زبان و ادب کے تدریسی مسائل پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس یونیورسٹی میں بھی انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند کی ایک شاخ قائم کی جائے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تجویزیں پیش ہوئیں اور انھیں بہ اتفاق رائے منظور کیا گیا۔

(الف) اساتذہ ذیل پر مشتمل ایک عارضی کمیٹی بنائی گئی۔ شاہ شکیل احمد، فصیح ظفر، انجم فاطمی، محمد نصیر الدین، اعجاز بانو، ڈاکٹر ظہیر احسن، حسن آرزو، معین الدین خاں، محمد علی خاں، ڈاکٹر طاہر رضوی برق

اور ڈاکٹر محمد حسنین آخر الذکر اس کمیٹی کے کنوینر بنائے گئے۔

(ب) جولائی ۱۹۷۰ء کے آخر ہفتہ میں مگدھ یونی ورسٹی کے تمام اردو اساتذہ کا عام جلسہ طلب کیا جائے جس میں انجمن کے مستقل عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں لایا جائے تاکہ انجمن کے منصب و مقاصد کے پیش نظر ضروری کاموں کی ابتدا کئے جانے کے مسئلے پر غور و خوض کیا جائے گا۔

(ج) بنیادی کاموں کے سلسلے میں کنوینر کو ضروری اقدامات کا اختیار دیا گیا۔ اس نشست میں محمد علی خاں، انیع ظفر، طلحہ رضوی برق، محمد حسین الدین خاں، محمد نصیر الدین، ظہیر احسن طیب ابدالی اور محمد حسنین نے شرکت کی۔

• م۔ م۔ عالم

اردو کے لئے کی گئی یقین دہانیاں کب پوری ہوں گی؟

لکھنؤ اتر پردیش اردو بورڈ کے پہلے جلسے میں جو سابق وزیر اعلیٰ جناب سی۔ بی۔ گپتا کی صدارت میں ہوا تھا اس بات کا اعلان کیا گیا تھا کہ ریاستی حکومت اردو کی ترقی پر دس لاکھ روپیہ خرچ کرے گی اور تمام دفاتر میں اس بات کی ہدایات دی جائیں گی کہ عوام اگر کسی معاملے کی بابت اردو میں مراسلت کریں گے تو انھیں اسی زبان میں جواب دیا جائے گا لیکن اس یقین دہانی پر ابتک عمل درآمد نہیں ہوا ہے۔

گپتا وزارت کے گرنے کے بعد اتر پردیش کی نئی وزارت جو وزیر اعلیٰ چودھری چرن سنگھ کی قیادت میں بنی ہے اس نے اردو کی ترقی اور اس کے عدالتوں میں استعمال کے سلسلے میں کوئی مخصوص اقدامات نہیں کئے حالانکہ وزیر اعلیٰ چودھری چرن سنگھ نے وزیر اعلیٰ ہونے کے بعد اپنی پہلی پریس کانفرنس میں اس بات کا یقین دلایا تھا کہ عدالتوں میں اردو کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اس کے علاوہ جس دفتر میں اردو میں درخواستیں دی جائیں گی ان کے جوابات بھی بہر صورت اردو ہی میں دئے جائیں گے۔

اتر پردیش کے ممبران قانون ساز نے بھی اردو ویلفیر کمیٹی کے نام سے ایک کمیٹی کی تشکیل کی تھی اور اس کے ایک وفد نے سابق وزیر اعلیٰ سے ملاقات بھی کی تھی لیکن اس کے بعد اس کمیٹی کی کارکردگی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس نے مزید اور کیا اقدامات کئے ہیں؟

پرائمری اسکولوں میں بچوں کی اردو تعلیم اور اردو کے اساتذہ کی ٹریننگ کا مسئلہ ایک اتنا اہم معاملہ ہے جس پر سوائے انجمن ترقی اردو کے اور کسی تنظیم کی نظر ابھی تک نہیں گئی ہے اور نہ کسی تنظیم نے اس سلسلے میں کوئی عملی اقدامات کا پروگرام ہی بنایا ہے اگرچہ

مردم شماری کا کام سرکاری اطلاعات کے مطابق اب دوسرے مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن مادری زبان کے خانے میں جو اندراجات مردم شماری کے عملے نے بھرے ہیں اور جو زیادہ تر صحیح نہیں ہیں ان کی تصحیح کی جا سکتی ہے۔

• قومی آواز

مردم شماری اور اردو

۱۹۷۱ء کے آغاز میں ہندوستان بھر میں مردم شماری ہونے والی ہے جس کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ چونکہ مردم شماری کا تعلق زبان کے مسئلے سے بھی ہے اس لئے اردو داں طبقے کو اس موقع پر پوری مستعدی اور فرض شناسی سے کام لینا چاہئے اور یہ کوشش کرنا چاہئے کہ اردو بولنے والوں کی صحیح صحیح تعداد مردم شماری میں درج ہو جائے۔

ہمارا سابقہ تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ مردم شماری کے اعداد و شمار میں کچھ تو دانستہ غلطیاں کی گئیں اور کچھ اردو والوں نے تغافل اور فرض ناشناسی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں مردم شماری کے اعداد و شمار میں اردو والوں کی تعداد بہت کم دکھائی گئی

اب اس غلطی کا ارتکاب نہیں ہونا چاہئے۔ ہر اردو والے کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا نام مردم شماری کے رجسٹر میں درج ہے اور اس کے نام کے آگے زبان کے خانے میں اردو درج ہے ظاہر ہے یہ کام انفرادی طور پر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ عام آدمی نہ معاملے کی نزاکت کو سمجھتا ہے اور نہ اپنی قومی ذمے داریوں کو ایسی حالت میں یہ کام ان انجمنوں کا ہے جو اردو کی خدمت کر رہی ہیں۔ ان کے ارکان کا فرض ہے کہ وہ گاؤں گاؤں محلے محلے بلکہ گھر گھر جائیں اور لوگوں کو معاملے کی اہمیت سمجھائیں اور ان سے یہ کہیں کہ وہ مردم شماری کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوانے کے ساتھ زبان کے خانے میں اردو ضرور لکھوائیں۔

یاد رکھئے کہ مردم شماری کا کام شروع ہو چکا ہے اور مکانوں پر نمبر لگائے جا چکے ہیں، اس لئے اردو والوں کو فوراً پوری تن دہی اور انہماک سے کام شروع کر دینا چاہئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مردم شماری کے اعداد و شمار کی بنیاد پر اردو کا مقدمہ حکومت کی بارگاہ سے خارج ہو جائے۔ تمام اردو دوستوں کو اس وقت پوری فرض شناسی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

• سید محمد زیدی

سکریٹری اردو کمیٹی بمبئی

دلی میں اردو اساتذہ اور نصاب کی اردو کتابوں کی کمی کا اہم مسئلہ

دلی:- یہاں دلی کے سرکردہ دانشوروں، یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کے اساتذہ، دلی کے عمائدین اور سوشل کارکنوں کا ایک غیررسمی جلسہ جناب آنند نرائن ملا کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کے بارے میں غور و خوض کیا گیا جو صرف تعلیمی میدان میں اردو کو باقی رکھنے کے لئے جد و جہد کرے تاکہ اس وقت دلی میں اردو ذریعہ تعلیم اسکولوں میں اساتذہ اور نصابی کتابوں کی کمی اور ایسے ہی جو دوسرے مسائل درپیش ہیں ان کو حل کیا جا سکے۔

اجتماع کے کنوینر جناب بہار برنی نے اجتماع کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے ایک اردو ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی جس پر مختلف اصحاب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بعض اصحاب نے کسی نئے ادارے کے قیام کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ ان کے خیال میں نئے ادارے بنانے کی نہیں بلکہ پرانے اداروں کے تحت ہی فوراً کام کرنے کی ضرورت ہے جن اصحاب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں ڈاکٹر محمد حسین، ڈاکٹر ظہیر الدین صدیقی، ڈاکٹر ولی بخش قادری، محمد سلیمان صابر، ناز انصاری، اور قاسم صدیقی اور پنڈت سندر لال شامل تھے۔ ادارے کے قیام کی تجویز منظور نہ ہو سکی لیکن عام طور پر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اردو سے دلچسپی رکھنے والی جماعتوں اور خاص کر انجمن ترقی اردو کا فرض ہے کہ وہ راجدھانی کے ان اسکولوں کی طرف فوری توجہ دے جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ اس بات کا بجا طور پر خدشہ ظاہر کیا گیا کہ اگر اس سلسلہ میں فوری کارروائی نہ کی گئی اور دو ماہ کی چھٹیوں کی مدت کو یوں ہی گزر جانے دیا گیا تو پھر طلبہ کے لئے نصاب کی اردو کتابوں کا کوئی انتظام نہ ہو سکے گا اور اردو پر ایسی ضرب کاری لگے گی کہ اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ • الجمعیۃ

جناب ایم عرفان کو ایک عوامی استقبالیہ میں ۱۱م ۱۱م روپیہ کی تھیلی

جناب ایم عرفان کو ان کی تصنیف "برکت اللہ بھوپالی" پر مبارکباد پیش کرنے کے لئے ایک استقبالیہ جلسہ میں مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ شری شیاما چرن شکلا نے برکت اللہ فورم کی طرف سے ۱۱م ۱۱م روپیہ کی تھیلی پیش کرتے ہوئے ان کی اس کتاب کو قابل قدر کارنامہ قرار دیا۔

وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں واضح الفاظ میں وعدہ کیا کہ آزادی وطن کے عظیم مجاہد برکت اللہ بھوپالی کے تابوت کو امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا سے بھوپال لانے کے لئے ہر ممکن جد و جہد کی جائے گی۔ اور اس سلسلے میں جو مصارف ہوں گے وہ مدھیہ پردیش سرکار برداشت کرے گی۔ انھوں نے کہا کہ ان کی قبر بھوپال میں بن جانے سے بھوپال سارے ملک کے لوگوں کے لئے تیرتھ استھان بن جائے گا۔

جلسے کی صدارت بھوپال کے سابق وزیر اعلیٰ پنڈت چترنرائن مالوی نے کی فورم کے کنوینر جناب لاڈلی شرن سنہا نے جناب ایم عرفان کو سپاسنامہ پیش کیا جس میں ان کے اس عظیم کارنامے پر خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

۲۱ انجمنوں کی طرف سے جناب ایم عرفان کو نوٹوں کے ہار پہنائے گئے۔ • ارشد صدیقی

اردو میں حلف پر اعتراض کونسل کے چیرمین نے مسترد کر دیا

لکھنؤ: یو۔پی قانون ساز کونسل کے چیرمین جناب ویریندر سروپ نے دو سابق منتخب ممبروں کے اس اعتراض کو آج مسترد کر دیا، جس میں کہا گیا تھا کہ "کانگریس کے نو منتخب ممبر جناب چھیدی لال ساتھی ایوان میں اپنی نشست پر اس لئے نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ انھوں نے اس زبان میں حلف نہیں لیا جو اس مقصد کے لئے مقرر کی گئی ہے۔"

چیرمین نے اس اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ "حلف نامہ دستور کے تحت بنایا گیا ہے نہ کہ اسے ریاست نے تیار کیا ہے، اس لئے ممبر دستور کی آٹھویں شیڈول میں دی ہوئی کسی بھی زبان میں حلف لے سکتے ہیں۔" انھوں نے کہا کہ جب کہ حلف کے لئے جو بھی الفاظ جنھیں استعمال کیا گیا وہ بالکل وہی ہیں جو دستور کے تحت حلف برداری کے موقع پر ادا کئے جاتے ہیں اس لئے ان سے حلف لینے کا مقصد پورا ہو گیا۔"

قومی آواز



تبصرہ

ڈاکٹر ناصر حسین نقوی

انتخاب سراج اورنگ آبادی

مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن
قیمت: ایک روپیہ ۲۰ پیسے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

اردو کے ابتدائی عہد میں جنوبی ہند کے ادباء اور شعراء نے جس طرح اس نوخیز زبان کی آبیاری کی ہے وہ عالم آشکار ہے۔ مثنوی ہو یا مرثیہ، غزل ہو یا کوئی اور صنف سخن، جنوبی ہند کے شعراء نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کر کے اور اس کے بہترین اور اعلیٰ نمونے پیش کر کے شمالی ہند والوں کو ادب کی آبیاری کا راستہ بتایا۔ صنف غزل کو ارتقائی راہ پر لگانے والوں میں سب سے پہلا نام ولی کا آتا ہے اور ان کے بعد اس صنف سخن کو زندہ پائندہ اور تابناک رکھنے کے سلسلے میں سراج اورنگ آبادی سرفہرست ہیں۔

ایک ایسے شاعر کا مطالعہ جو اردو غزل کے ارتقاء کی ایک اہم کڑی ہو ادبی ضرورت بھی ہے اور داستان پارینہ سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ بھی۔ انھیں دونوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مکتبہ جامعہ دہلی نے کشمیر گورنمنٹ کی مدد سے سراج اورنگ آبادی کے کلام کا ایک انتخاب شائع کیا ہے۔

یہ انتخاب ڈاکٹر محمد حسن صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس انتخاب کے شروع میں صاحب موصوف نے چار صفحات کا ایک مختصر مگر جامع تعارف بھی سپرد قلم کیا ہے۔ جس کے یہ جملے قابل غور ہیں۔

"سراج کو صوفی شاعر کہا جاتا ہے وہ مزاجاً اور عملاً صوفی تھے لیکن ان کی شاعری پر تصوف کا غلبہ نظر نہیں آتا۔ وہ زندگی کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسی لئے ان کے کلام میں حسن پرستی اور والہانہ پن کا ایک انوکھا امتزاج ملتا ہے۔"

اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تصوف خود عشق کی اعلیٰ اور ارفع منزل کا نام ہے تو تصوف کو عشق سے کس طرح جدا کیا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر سراج کی شاعری میں حسن پرستی اور والہانہ پن کا ایک انوکھا امتزاج ملتا ہے تو ان کو بلاشبہ ایک صوفی شاعر مان لینا چاہئے، کیونکہ حسن پرستی اور والہانہ پن تصوف کا شیوہ ہے بوالہوسی کا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں بات اصطلاحات کی نذر ہو گئی ہے۔ اگر عشق اور تصوف کے اضافہ کو بیچ سے ہٹا دیا جائے تو بات وہی سامنے آئے گی جو صاحب موصوف نے کہی ہے۔ مگر موجودہ صورت میں ان دونوں اصطلاحات کی وجہ سے ایک تضاد پیدا ہو گیا ہے۔

اس کے علاوہ صاحب موصوف کا یہ بیان بھی محل نظر ہے کہ "میر، سودا، درد سب ہی کے تصورات اور اسلوب بیان پر سراج کے اثرات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔" اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ سراج کی وہ کونسی خصوصیت ہے جس کے وہ بلاشرکت غیرے مالک ہیں۔ اگر صاحب موصوف نے سراج کی یہ خصوصیت واضح کر دی ہوتی اور میر، سودا اور درد کے کلام سے اس خصوصیت کے حامل چند ہی اشعار نمونے کے طور پر پیش کر دیے ہوتے تو ان کی بات واضح ہو کر سامنے آ جاتی اور ہم کہہ سکتے کہ سراج کی شاعری نے ان شعراء کو متاثر کیا۔

محمد حسن صاحب نے اس تعارف کے آخر میں لکھا ہے کہ

"ان چند اوراق میں ایک ایسی جمال پرست اور بے قرار شخصیت کی جھلکیاں ملیں گی جو ذات و کائنات کے لئے عرفان کی تلاش میں ہے اور اس تلاش کے عمل میں پڑھنے والوں کی بصیرت اور جمالیاتی کیف میں نئی تہوں اور تازہ جہتوں کا اضافہ کرتا جاتا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان اوراق کو پڑھ کر سراج کی جمال پرست اور بے قرار شخصیت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں لیکن پڑھنے والوں کی بصیرت اور جمالیاتی کیف میں نئی تہوں اور تازہ جہتوں کا اضافہ اس لئے نہیں ہو پاتا کہ یہ اشعار جس دور اور جس زمانے کی یادگار ہیں اس میں اور آج کے زمانے میں بعد المشرقین ہے۔ آج کے انسان کی بصیرت اور جمالیاتی کیف میں نئی جہتوں اور تازہ جہتوں کا اضافہ کرنے کے لئے جن تصورات کی ضرورت ہے شاید سراج کا کلام اس سے خالی ہے۔ ہمارے خیال میں اس انتخاب کا مطالعہ ادبی اور تاریخی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تو کیا جا سکتا ہے مگر اس سے کوئی نئی بصیرت یا نیا جمالیاتی کیف حاصل نہیں ہوتا۔

جہاں تک انتخاب اشعار کا سوال ہے ڈاکٹر صاحب نے شاعر کو شاعر کے اصل رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ کہیں کہیں ان کی ذاتی پسند کی بھی چھاپ لگ گئی ہے۔ لیکن اس سے مفر نہیں ہے۔

اس کی کتابت، طباعت اور کاغذ مکتبہ جامعہ کے معیار کے مطابق ہے ہم اس انتخاب کی اشاعت پر مرتب اور ناشر دونوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ چل نکلا تو ادب العالیہ کے صحیح ترین اور سستے ایڈیشن دستیاب ہونے لگیں گے جو بلاشبہ اردو زبان کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید لطف حسین ایم۔ اے نے لیتھو پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا